فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں | نعیم احمد | ۴

قرآنیات

البیان: یوسف ۱۲: ۳۵-۵۳ (۲) | جاوید احمد غامدی | ۷

معارف نبوی

مسلم حکمرانوں کے متعلق ایک پیشین گوئی | معز امجد/ شاہد رضا | ۱۷

مقامات

رسولوں کا اتمام حجت | جاوید احمد غامدی | ۲۲

سیر و سوانح

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ | محمد وسیم اختر مفتی | ۲۶

مقالات

قرآنی تعلیم کے اصولی مسائل | امام حمید الدین فراہی | ۳۳

یسئلون

دنیا میں ناقص چیزوں کے وجود کی مصلحت | امین احسن اصلاحی | ۳۷

ادبیات

غزل | جاوید احمد غامدی | ۴۱

اشاریہ

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۴ء | نعیم احمد | ۴۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں حسب سابق جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شامل اشاعت ہے۔ یہ قسط سورۂ یوسف (۱۲) کی آیات ۳۵-۵۳ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمایش کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ عزیز مصر اور زلیخا کے رشتہ داران کی بے گناہی سے آگاہ تھے، لیکن انھیں اس مصلحت کے تحت جیل بھجوا دیا گیا کہ کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور دوری کے باعث زلیخا کا جنون بھی جاتا رہے گا۔ جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں نے خواب دیکھے۔ آپ نے ان کے خوابوں کی صحیح تعبیر بتائی۔ اسی کے سبب بادشاہ وقت کے ایک ایسے خواب کی تعبیر بتائی جو بادشاہ کے درباری نہ بتا سکے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملک کے تمام سیاہ و سفید کا ان کو مالک بنا دیا۔

''معارف نبوی'' کے تحت معز امجد صاحب کا مضمون ''مسلم حکمرانوں کے متعلق ایک پیشین گوئی'' شائع کیا گیا ہے۔ اس پر ترجمہ و تدوین کا کام شاہد رضا صاحب نے کیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی حکمرانی سے متعلق بیان ہوا ہے کہ پہلے نبوت و رحمت کا سلسلہ ہوگا، پھر ایک نیک حکومت کا، اس کے بعد بادشاہت کا جس میں لوگ آزمایشوں اور فتنوں کا سامنا کریں گے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لیں۔

''مقامات'' میں ''رسولوں کا اتمام حجت'' کے زیر عنوان جناب جاوید احمد غامدی کا ایک شذرہ شامل ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہو جانے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا منکرین حق کے خلاف اقدام کی نوعیت بیان کی ہے۔

''سیر و سوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون میں جلیل القدر صحابی حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے، ان کے حالات زندگی اور غزوات میں ان کی بہادری و شجاعت کا ذکر ہے۔

''مقالات'' میں مولانا حمید الدین فراہی نے اپنے مضمون میں قرآنی تعلیم کے اصولی مسائل بیان کیے ہیں۔ ان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک عقائد اور دوسرے اعمال۔ عقائد میں توحید، نبوت اور معاد کی حقیقت بیان کی ہے۔ اعمال میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور مکارم اخلاق کو واضح کیا ہے۔

''یسئلون'' میں مولانا اصلاحی صاحب سے پوچھا گیا یہ سوال نقل کیا گیا ہے کہ کائنات میں ناقص چیزیں کیوں پائی جاتی ہیں؟ شر کا وجود کیوں ہے؟ اصلاحی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ غور کیجیے دنیا کی یہ ناقص چیزیں کتنی بہترین تعلیم ان لوگوں کو دے رہی ہیں جو ہر قسم کے خلقی نقص سے پاک ہیں۔ یہ ناقص چیزیں ایک تو اس بات کا سبق دیتی ہیں کہ قدرت کی یہ عظیم نعمتیں ہمیں صرف اس کے فضل سے ملی ہوئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اہل نعمت کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے کام آئیں جو ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یوسف

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ

پھر (اُس کی بے گناہی کی) یہ نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی اُنھوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید کر دیں۔[50] اُس کے ساتھ دو اور نوجوان بھی قید خانے میں داخل ہوئے۔[51] اُن

۵۰؎ یوسف علیہ السلام چونکہ غلام تھے، اِس لیے قدیم رواج کے مطابق آپ کو جیل بھیجنے کے لیے کسی عدالتی کارروائی کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس زمانے کے آقاؤں کو اپنے غلاموں پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔ چنانچہ آپ کے آقا نے بھی اپنے اِسی اختیار کے تحت آپ کو اِس خیال سے جیل بھجوا دیا کہ زلیخا کے دماغ سے اِن کا خبط بھی نکل جائے گا اور لوگ بھی یہی سمجھیں گے کہ جس کو سزا ملی ہے، قصور بھی اُسی کا ہو گا۔ قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ دوسرے اعزہ واقربا بھی اِس فیصلے میں شریک تھے، اِس لیے کہ اپنی ناک بچانے کے لیے وہ بھی مصلحت اِسی میں دیکھ رہے تھے۔

۵۱؎ بائیبل کی روایت ہے کہ اِن میں سے ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا نان پز تھا۔ تالمود میں مزید وضاحت ہے کہ شاہ مصر نے اِن نوجوانوں کو اِس قصور پر جیل بھیجا تھا کہ ایک دعوت کے موقع پر روٹیوں میں کچھ کرکراہٹ پائی گئی

اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۶﴾
قَالَ لَا يَاۡتِيۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا
عَلَّمَنِىۡ رَبِّىۡ ؕ اِنِّىۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

میں سے ایک نے (ایک دن) اُس سے کہا: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں[۵۲]۔ دوسرے نے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے چڑیاں کھا رہی ہیں۔ ہمیں اِس کی تعبیر بتائیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جو خوبی اختیار کرتے ہیں[۵۳]۔ یوسف نے کہا: یہاں جو کھانا تمھیں ملتا ہے، وہ آئے گا نہیں کہ اُس کے آنے سے پہلے میں تمھیں اِس کی تعبیر بتا دوں گا[۵۴]۔ یہ اُس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے[۵۵]۔ میں نے اُن لوگوں کے

تھی اور شراب کے پیالے میں ایک مکھی نکل آئی تھی۔ ہمارے ہاں کی روایتوں میں اِس کے برخلاف یہ بیان کیا گیا ہے کہ دونوں پر الزام تھا کہ اُنھوں نے بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی کوشش کی ہے۔

۵۲؎ اصل الفاظ ہیں: 'اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا'۔ شراب بنانے کے لیے انگور نچوڑے جاتے ہیں، لیکن قرآن نے یہاں شے کو اُس کی غایت کے لحاظ سے تعبیر کرنے کا اسلوب اختیار کیا ہے۔

۵۳؎ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قید خانے میں یوسف علیہ السلام کس نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اِن نوجوانوں نے جس طرح اُنھیں مخاطب کیا ہے، اُس سے واضح ہے کہ جیل کے لوگ اُنھیں کوئی مجرم نہیں، بلکہ ایک نہایت نیک نفس انسان سمجھتے تھے اور اُنھیں معلوم تھا کہ اپنے اخلاق و کردار کی پاکیزگی وہ کیسی سخت آزمایشوں میں ثابت کر چکے ہیں۔ چنانچہ بائیبل کا بیان ہے کہ صرف قیدی ہی نہیں، قید خانے کے حکام اور اہل کار بھی اُن کے معتقد ہو چکے تھے۔ پیدایش میں ہے:

> ''قید خانے کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے، یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے، اُسی کے حکم سے کرتے تھے۔ اور قید خانے کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اُس کے ہاتھ میں تھے، بے فکر تھا۔'' (۳۹: ۲۲-۲۳)

۵۴؎ قید خانے کی زندگی میں کھانے کی تقسیم وغیرہ کے مواقع ہی شب و روز کی یکسانی میں کچھ تغیر پیدا کرتے ہوں گے۔ حضرت یوسف نے غالباً اِسی بنا پر اِس کا حوالہ دیا ہے۔ آگے کی آیتوں سے واضح ہے کہ تعبیر بتانے کے

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

مذہب کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی آخرت کے منکر ہیں[56] اور اپنے بزرگوں، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا طریقہ اختیار کر لیا ہے[57]۔ ہم کو حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھیرائیں۔ یہ ہم پر اور تمام انسانوں پر اللہ کا فضل ہے (کہ اُس نے یہ حقیقت اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے واضح کر دی

لیے یہ مہلت آپ نے صرف اِس لیے حاصل کی تھی کہ اِس سے فائدہ اٹھا کر آپ اپنی دعوت اُن کے سامنے پیش کر سکیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’... اِس کا اثر تعبیر پوچھنے والوں پر تو یہ پڑا ہو گا کہ حضرت یوسف نے اُن کے خوابوں کو اہمیت دی ہے۔ وہ سرسری طور پر الٹی سیدھی کوئی بات بتا کر اُن کو ٹالنا نہیں چاہتے، بلکہ سوچ کر یا اپنے رب سے رجوع کرنے کے بعد اُن کی تعبیر بتائیں گے اور اُدھر خود حضرت یوسف نے اِس التوا سے اُس حق کی تبلیغ کے لیے ایک نہایت اچھا موقع پیدا کر لیا جو اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مقصد بن چکا تھا۔ اُنھوں نے جب دو دلوں کو اپنی طرف مائل دیکھا تو صرف اُن کی اندھی بہری عقیدت ہی پر قانع نہیں ہو گئے، بلکہ چاہا کہ اُن کو اللہ کی بندگی کی وہ دعوت پہنچا دیں جو اگر وہ قبول کر لیں تو اُن کی دنیا اور آخرت، دونوں سنور جائیں۔‘‘ (تدبر قرآن ۴/ ۲۱۸)

۵۵؎ یہ نہایت عمدہ تمہید ہے جس سے یوسف علیہ السلام نے اُن نوجوانوں کی ضرورت کو اپنی ذات سے اٹھا کر نہایت خوبی کے ساتھ اپنے پروردگار سے متعلق کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے لیے میرے پاس آئے ہو، اُس کا منبع اور سرچشمہ میں نہیں، بلکہ میرا پروردگار ہے۔ چنانچہ خواب کی تعبیر جاننا چاہتے ہو تو تھوڑی دیر کے لیے ٹھیر کر تعبیر کا علم دینے والے کی معرفت بھی حاصل کر لو۔

۵۶؎ یہ اِس حقیقت کا اظہار ہے کہ میں نے جو کچھ چھوڑا اور جو کچھ اختیار کیا ہے، اپنے باطن میں اچھی طرح اُس کا تجزیہ کر کے اور علم و عقل کی میزان میں اُس کو تول کر چھوڑا اور اختیار کیا ہے۔ اِس سے، اگر غور کیجیے تو اُنھوں نے یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ خدا پر ایمان کے ساتھ مشرکانہ عقائد کے پیوند کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اِسے اختیار کیا جائے تو اُن لوگوں کے طریقے کو لازماً چھوڑنا پڑتا ہے جو خدا کے شریک ٹھیراتے یا خدا اور آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتے۔

۵۷؎ یہ حوالہ جس انداز سے دیا گیا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن بزرگوں کے نام اُن لوگوں کے لیے اجنبی

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

یَشْکُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

ہے)، لیکن اکثر لوگ شکرگزار نہیں ہوتے۔ میرے زنداں کے ساتھیو، کیا الگ الگ بہت سے خدا بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ تم اُس کے سوا چند ناموں ہی کی بندگی کر رہے ہو جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے اُن کی کوئی سند نہیں اتاری ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اقتدار صرف اللہ کا ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ خود اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے، مگر بہت سے لوگ (اِس حقیقت کو) نہیں جانتے۔[۵۸] ۳۵-۴۰

نہیں تھے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے اِن کا نام لے کر ایک ہی جملے میں پوری دعوت کا تعارف بھی کرا دیا اور یہ بات بھی واضح کر دی کہ میں کوئی نئی بات لے کر نہیں آیا، بلکہ وہی پیغام تمھیں پہنچا رہا ہوں جو یہ اکابر و مشاہیر اِس سے پہلے پہنچاتے رہے ہیں۔ اُن کے مخاطبین نے اِس پر کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ اِس سے یہ بات مزید واضح ہوئی کہ اُس وقت تک جیل کے لوگ جان چکے تھے کہ وہ کس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔

۵۸؎ یوسف علیہ السلام کی یہ تقریر قرآن میں توحید کی بہترین تقریروں میں سے ہے، اور ٹھیک اُس موقع پر کی گئی جب مخاطبین اِس کو سننے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ اِس میں اُنھوں نے پہلے اُن کی توجہ علم و حکمت کے اصل سرچشمے کی طرف مبذول کرائی ہے۔ پھر اُس سفر کا حوالہ دیا ہے جو خود اُنھوں نے باطل کو چھوڑ کر حق تک پہنچنے کے لیے کیا ہے۔ اِس کے بعد ملت توحید کی تاریخی عظمت اور اہمیت واضح کی ہے۔ پھر بندگی کا یہ تقاضا واضح کیا ہے کہ بندہ ہو کر کسی کو خدا کا شریک ٹھیرایا جائے، اِس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اِس کے بعد خدا کے اُس امتنان و احسان کی طرف توجہ دلائی ہے جو اُس نے پیغمبروں کی بعثت سے انسانیت پر کیا ہے۔ پھر اُن نوجوانوں کو مخاطب کیا ہے اور دیکھیے کہ کس دل نواز انداز سے مخاطب کیا ہے۔ ہمدردی اور محبت کے جذبات جو مصیبت کے اشتراک سے ایک دوسرے کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں، یہ خطاب اُن کو بڑی بلاغت کے ساتھ ابھارتا ہے تاکہ مخاطبین اِس کو پوری

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُکُمَا فَیَسۡقِیۡ رَبَّہٗ خَمۡرًا وَ اَمَّا الۡاٰخَرُ فَیُصۡلَبُ
فَتَاۡکُلُ الطَّیۡرُ مِنۡ رَّاۡسِہٖ قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡہِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ ﴿۴۱﴾
وَ قَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنۡہُمَا اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ فَاَنۡسٰہُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ
رَبِّہٖ فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ ﴿۴۲﴾

میرے زنداں کے ساتھیو، (تمھارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ) تم میں سے ایک تو (اپنے منصب پر بحال ہو جائے گا اور) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا تو اُسے سولی دی جائے گی، پھر پرندے اُس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ اُس بات کا فیصلہ ہوا جس کے بارے میں تم دونوں پوچھ رہے تھے۔ ۴۱

اُن میں سے جس کے بارے میں یوسف نے خیال کیا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اُس نے اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا[59]۔ مگر شیطان نے اُس کو اپنے آقا سے یہ ذکر کرنا بھلا دیا[60]۔ سو یوسف کئی سال تک (اُسی طرح) قید خانے میں پڑا رہا۔ ۴۲

توجہ کے ساتھ سنیں اور اِس کے ہر لفظ کو باہمی خیر خواہی اور اخلاص پر محمول کریں۔ اِس کے بعد اصل دعوت پیش کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک خدا کا تعلق ہے، وہ تو ایک بدیہی حقیقت، بلکہ ابدہ البدیہیات ہے اور اُس کے بندے مجبور ہیں کہ اُس کی آقائی کو تسلیم کریں، لیکن اُس کے ساتھ کچھ دوسروں کو بھی آقا تسلیم کر لیا جائے، یہ کہاں کی دانش مندی ہے؟ کون یہ پسند کرے گا کہ بغیر کسی ضرورت کے کسی کی غلامی کا پٹا اپنی گردن میں ڈال لے؟ پھر مزید یہ کہ ایک ایسی بات کیوں مانی جائے جس کی کوئی ادنیٰ شہادت نہ ہماری عقل میں ہے، نہ فطرت میں اور نہ انفس و آفاق میں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ خدا نے بتایا ہے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ اِس کے حق میں بھی کوئی چیز پیش نہیں کی جا سکتی۔ جو کچھ مانا جا رہا ہے، وہ محض نام ہیں جو بغیر کسی دلیل کے لوگوں نے رکھ لیے ہیں۔ تمام اقتدار خدا کا ہے اور جو دین اُس نے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے اتارا ہے، اُس میں بھی ہمیشہ یہی ہدایت کی گئی ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے، اِس لیے اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، مگر افسوس کہ لوگوں کی اکثریت اِس سے بے خبر ہے۔

۵۹؎ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ بادشاہ کا ساقی تھا، اِس لیے آقا سے مراد شاہ مصر ہے۔ یوسف علیہ السلام نے یہ خواہش اِس توقع کی بنا پر کی کہ یہ اپنے مشاہدات، بالخصوص خواب کی تعبیر بتانے کا واقعہ بادشاہ کو بتائے گا تو ہو سکتا ہے

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ
سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا
تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾
وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

(پھر ایک دن) بادشاہ نے (اپنے دربار کے لوگوں سے) کہا: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات بالیں ہری اور دوسری سات سوکھی ہیں (اور وہ بھی ہری بالیوں کو کھا رہی ہیں)[61]۔ دربار کے لوگو، مجھے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو[62]۔ لوگوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں اور ہم اِس طرح کے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے[63]۔ اُن دو قیدیوں میں سے جو چھوٹ گیا تھا اور اُسے ایک مدت کے بعد یاد پڑا[64]، اُس نے کہا: میں آپ لوگوں کو اِس کی تعبیر بتاؤں گا۔ سو مجھے ذرا (قید خانے میں یوسف کے پاس) بھیج دیجیے[65]۔ ۴۳-۴۵

کہ ایسی کوئی ضرورت وہاں بھی پیش آ جائے اور اِس طرح اِس مظلومانہ قید سے رہائی کی صورت پیدا ہو۔

۶۰؎ اصل الفاظ ہیں: 'فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ'۔ اِس میں 'ذِكْرَ رَبِّهٖ' کی اضافت اُسی نوعیت کی ہے جو 'مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ' وغیرہ میں ہے۔ انسان کو نیکی کے کاموں سے شیطان ہی غافل کرتا ہے، مگر اِس کی مہلت اُسے خدا کے اذن سے ملتی ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ابھی یہی تھا کہ حضرت یوسف کچھ سال اور اِسی طرح قید خانے میں گزاریں۔ چنانچہ وہ شخص جیل سے باہر آیا تو اُسے بالکل یاد نہیں رہا کہ زنداں کے ساتھی نے اُس سے کیا بات کہی تھی۔

۶۱؎ یہ حصہ آیت میں محذوف ہے۔ آگے آیت ۴۸ میں اِس کی وضاحت ہو گئی ہے۔

۶۲؎ اِس آخری فقرے سے مترشح ہے کہ بادشاہ اگرچہ اپنے اِس خواب سے بہت زیادہ متاثر تھا، مگر یہ بھی جانتا تھا کہ اِس کی تعبیر بتانا اتنا آسان نہیں ہے۔

۶۳؎ یہ فقرہ اُنھوں نے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا خواب بامعنی ہوتا تو ضرور ہم اُس کی تعبیر بتاتے، لیکن یہ تو بالکل پریشان خواب ہے، اِس لیے مطمئن ہو جائیے، اِس طرح کے خوابوں کی کوئی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا
قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ

(اُس نے جا کر کہا): یوسف، اے سراپا راستی،[66] ہمیں سات موٹی گایوں کے بارے میں بتاؤ جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری اور دوسری سات سوکھی بالیوں کے بارے میں، اِس لیے کہ میں لوٹ کر اُن لوگوں کے پاس جاؤں تاکہ (اٹکل کے تیر چلانے کے بجاے) وہ بھی جان لیں (کہ اِس خواب کی حقیقت کیا ہے)۔ یوسف نے کہا: سات برس تک تم برابر کھیتی کرو گے، لہٰذا جو فصل تم کاٹو، اُس میں سے تھوڑا سا نکال کر جو تم کھاؤ گے، باقی سب اُس کی بالیوں میں چھوڑ دو (تاکہ خراب نہ ہو)۔ اِس کے بعد پھر سات برس بہت سخت آئیں گے جو تھوڑی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ کر لو گے، وہ غلہ کھا جائیں گے جو اُن برسوں کے لیے تم نے فراہم کیا ہو گا۔[67] اِس کے بعد پھر ایک سال ایسا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تعبیر نہیں ہوتی۔

۶۴؎ یہ بھی خدا کے اذن سے ہوا، اِس لیے کہ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ یوسف قید سے باہر آئیں اور مصر کے سیاہ و سفید کے مالک بن جائیں۔

۶۵؎ قرآن نے یہاں بھی اپنے اسلوب کے مطابق تفصیلات حذف کر دی ہیں۔ بائیبل اور تالمود سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص نے پہلے یوسف علیہ السلام اور جیل میں اُن سے اپنی ملاقات اور خوابوں کی تعبیر پوچھنے کا پورا قصہ بادشاہ اور اُس کے درباریوں کو تفصیل کے ساتھ سنایا، اِس کے بعد اُن سے کہا کہ مجھے جانے دیجیے، میں اِس خواب کی تعبیر بھی اُنھی سے پوچھ کر آتا ہوں۔

۶۶؎ یہ خطاب بتا رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو وہ محض خوابوں کی تعبیر بتانے والا ایک شخص نہیں سمجھتا تھا، بلکہ جیل

فِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾

وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوۡلُ قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّكَ فَسۡئَلۡهُ مَابَالُ النِّسۡوَةِ الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَهُنَّ اِنَّ رَبِّیۡ بِكَیۡدِهِنَّ عَلِیۡمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطۡبُكُنَّ

آئے گا کہ جس میں (باران رحمت سے) لوگوں کی فریادرسی کی جائے گی[۶۸] اور وہ اُس میں انگور نچوڑیں گے۔[۶۹] ۴۶-۴۹

(یہ تعبیر دربار میں سنائی گئی تو) بادشاہ نے کہا: اُسے میرے پاس لاؤ۔ مگر جب قاصد یوسف کے پاس (اُسے لینے کے لیے) پہنچا تو اُس نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اُس سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔[۷۰] میرا پروردگار تو اُن کے فریب سے

میں اپنے تجربات کی بنا پر جان چکا تھا کہ آپ فی الواقع ایک پیکر صداقت اور صدق مجسم شخصیت ہیں جو خوابوں کی تعبیر بھی بتا دیتے ہیں۔

۶۷؎ یوسف علیہ السلام نے صرف تعبیر نہیں بتائی، اُس کے ساتھ اُس تدبیر کی طرف بھی رہنمائی فرما دی ہے جو قحط کے اِن سات برسوں کی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے اختیار کرنی چاہیے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مستقبل کی منصوبہ بندی کے بارے میں قرآن کا نقطۂ نظر صوفیانہ مذاہب سے کس قدر مختلف ہے۔

۶۸؎ اصل میں لفظ 'یُغَاثُ' آیا ہے۔ یہ 'غوث' سے ہے۔ تاہم اِس کے لازم کی حیثیت سے اِس کا ترجمہ بارش بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن ہم نے اِسے لغوی مفہوم میں لیا ہے تاکہ قحط سے جو ہمہ گیر اثرات لوگوں پر ہوں گے، اُن کی پوری تصویر سامنے آ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا غیر معمولی ہو گا کہ لوگ چیخ اُٹھیں گے اور اپنے پروردگار کے آگے رونے اور گڑگڑانے پر مجبور ہو جائیں گے، یہاں تک کہ بالآخر اُن کی فریاد سن لی جائے گی۔

۶۹؎ اصل میں لفظ 'یَعۡصِرُوۡنَ' آیا ہے۔ اِس کی جگہ کوئی دوسری تعبیر بھی اختیار کی جا سکتی تھی، لیکن پوچھنے والا چونکہ بادشاہ کا ساقی تھا، اِس لیے اِس لفظ کا انتخاب کیا گیا جس سے ایک خاص لطف کلام میں پیدا ہو گیا ہے۔

۷۰؎ یوسف علیہ السلام کی جگہ کوئی اور ہوتا تو رہائی کا مژدہ پا کر فوراً ساتھ ہو لیتا، مگر اُنھوں نے اصرار کیا کہ پہلے اُس معاملے کی تحقیق کی جائے جس کو بہانہ بنا کر مجھے جیل بھیجا گیا تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ قَالَتِ
امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾
ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ

خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے اُنھیں (بلا کر) پوچھا: تمھارا کیا ماجرا ہے، جب تم نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی تھی؟[1] سب نے گواہی دی کہ حاشا للہ، ہم نے اُس میں برائی کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا۔ عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی: اب حق کھل چکا ہے۔ میں نے ہی اُس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ بالکل سچا ہے۔ ۵۰-۵۱

(یوسف نے کہا): اِس سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز یہ جان لے کہ میں نے در پردہ اُس کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں، اُن کی چال کو اللہ چلنے نہیں دیتا۔[2] میں کچھ اپنے نفس کی براءت نہیں کر رہا ہوں، نفس تو برائی پر اکساتا ہی ہے، مگر جب میرا پروردگار رحم فرمائے۔[3] حقیقت یہ ہے کہ میرا

”...حضرت یوسف کے اِس ارشاد کی تہ میں اتر کر غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اُنھوں نے مجرد بادشاہ کے وقتی حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر اپنی رہائی اور بادشاہ کے تقرب کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ سب سے زیادہ اہمیت الزام سے براءت کو دی اور اپنی سچائی اور اپنے رب پر اُنھیں اِس درجہ اعتماد تھا کہ اِس بات کی ذرا پروا نہ ہوئی کہ فریق ثانی اُنھیں ملزم بنانے کے لیے کیا دروغ بافیاں کر سکتا ہے۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۲۲۴)

۱؎ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ اُس وقت تک یہ حقیقت بادشاہ پر بھی بڑی حد تک واضح ہو چکی تھی کہ سارا چھل فریب عورتوں ہی کا تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اصل یہ ہے کہ سچائی اپنے ظہور کے لیے صبر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اُس کو اختیار کر لے اور جو صبر اُس کے لیے مطلوب ہے، اُس کا حق ادا کر دے تو وہ وقت لازماً آتا ہے، جب اُس کی صداقت کی صداے بازگشت در و دیوار سے سنائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ دشمن بھی... اُس کی گواہی دیتے ہیں۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۲۲۴)

۲؎ یہ حضرت یوسف نے معاملے کی تحقیق پر اپنے اصرار کی وجہ بتائی ہے۔ اِس کا موقع غالباً اُس وقت آیا ہوگا،

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

پروردگار بڑا بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔۵۲-۵۳

جب قید خانے میں اُنھیں تحقیقات کے نتائج بتائے گئے ہوں گے۔

۳ے اصل الفاظ ہیں: ’اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ‘۔ اِن میں ’مَا‘ ہمارے نزدیک زمان کے معنی میں ہے۔ ترجمے میں اُسی کی رعایت ملحوظ ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

مسلم حکمرانوں کے متعلق ایک پیشین گوئی

أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا تَسْأَلُونِي فَإِنَّ النَّاسَ كَانُوا يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ أَنَّ اللّٰهَ بَعَثَ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا النَّاسَ مِنَ الْكُفْرِ إِلَى الْإِيمَانِ وَمِنَ الضَّلَالَةِ إِلَى الْهُدٰى فَاسْتَجَابَ مَنِ اسْتَجَابَ فَحَيَّ مِنَ الْحَقِّ مَا كَانَ مَيِّتًا وَمَاتَ مِنَ الْبَاطِلِ مَا كَانَ حَيًّا ثُمَّ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ فَكَانَتِ الْخِلَافَةُ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ.

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو، تم مجھ سے (چیزوں کے متعلق) سوال کیوں نہیں کرتے؟ بے شک، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے، جبکہ میں شر کے متعلق سوال کرتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا تو آپ نے لوگوں کو کفر سے ایمان کی طرف اور گمراہی سے ہدایت کی طرف دعوت دی، اور آپ کی دعوت قبول کی جس نے قبول کی۔ چنانچہ حق کی برکت سے مردہ چیزیں زندہ ہوگئیں اور باطل کی نحوست سے زندہ

چیزیں بھی مردہ ہو گئیں۔ پھر نبوت ختم ہو گئی تو نبوت کے طریقے پر حکومت قائم ہو گئی۔

وضاحت

یہ روایت احمد، رقم ۲۳۴۷۹ میں روایت کی گئی ہے۔ اسے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابوبکّار کے ذریعے سے روایت کی گئی ہے جو کہ خلاد بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے روایت کرتے ہیں۔ علم رجال پر لکھی گئی اکثر کتابوں میں ابوبکار کا نام الحکم بن فروخ الغزال ہے۔ علم رجال کی ان کتب کے مطابق، خلاد بن عبدالرحمٰن ان راویوں میں سے نہیں ہیں جو عامر بن واثلہ سے روایت کرتے ہیں اور نہ ہی ابوبکار ان راویوں میں شامل ہیں جو خلاد بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس روایت کی سند منقطع ہے اور اس میں تسلسل باقی نہیں رہا ہے۔

احمد، رقم ۱۸۴۳۰ میں یہ روایت قدرے مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تکون النبوة فیکم ما شاء اللّٰه أن تکون، ثم یرفعها إذا شاء أن یرفعها. ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة فتکون ما شاء اللّٰه أن تکون، ثم یرفعها إذا شاء اللّٰه أن یرفعها. ثم تکون ملکًا عاضًا فیکون ما شاء اللّٰه أن یکون، ثم یرفعها إذا شاء أن یرفعها. ثم تکون ملکًا جبریة فتکون ما شاء اللّٰه أن تکون، ثم یرفعها إذا شاء أن یرفعها. ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة. ثم سکت.

”جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا تم میں نبوت رہے گی، پھر جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا، ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر حکومت ہو گی اور وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے ختم کرنا چاہے گا، ختم کر دے گا۔ پھر بادشاہت ہو گی جس میں لوگ آزمایشوں اور فتنوں کا سامنا کریں گے اور وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا، ختم کر دے گا۔ پھر ظالمانہ بادشاہت ہو گی اور وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا، ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر حکومت ہو گی۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔“

یہ روایت حضرت حذیفہ بن یمان، نعمان بن بشیر، حبیب بن سالم، داؤد بن ابراہیم الواسطی اور سلیمان بن داؤد

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الطیالسی کے ذریعے سے روایت کی گئی ہے۔

امام بخاری اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' (۳۱۸/۲، رقم ۲۶۰۶) میں رقم طراز ہیں: 'فیه نظر'، یعنی وہ حبیب بن سالم کی روایات کے بارے میں کچھ تحفظات رکھتے ہیں۔ ابواحمد بن عدی اپنی کتاب ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' (۴۰۵/۲) میں لکھتے ہیں کہ حبیب بن سالم کی روایات کے متون میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، یعنی ان میں کوئی روایت منکر نہیں، تاہم جن راویوں سے وہ روایت کرتا ہے، ان کی سند میں وہ مضطرب ہے۔ محدثین کی ان آرا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی شخص بھی اس روایت کی ثقاہت پر یقین نہیں کرسکتا۔

سنن البیہقی الکبریٰ، رقم ۱۶۴۰۷ میں یہ روایت قدرے مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن اللّٰه بدأ هذا الأمر نبوة ورحمة و كائنًا خلافة ورحمة و كائنًا ملكًا عضوضًا وكائنًا عتوة وجبرية وفسادًا فى الأمة يستحلون الفروج والخمور والحرير وينصرون على ذلك ويرزقون أبدًا حتى يلقوا اللّٰه عز وجل.	''بے شک، اللہ تعالیٰ نے (تمھارے نظم اجتماعی کے) اس معاملے کو نبوت اور رحمت کے ساتھ شروع کیا۔ پھر ایک عظیم حکومت اور رحمت ہو گی؛ پھر ایک بادشاہت ہو گی جس میں لوگ آزمایشوں اور فتنوں کا سامنا کریں گے؛ پھر امت میں ایک ظالمانہ بادشاہت اور فساد ہو گا، لوگ شرم گاہوں، شراب اور ریشم کو حلال کریں گے، اس پر ان کی مدد کی جائے گی اور ان کو ہمیشہ رزق دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلیں۔''

یہ روایت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل، ابوثعلبہ الخشنی، عبدالرحمٰن بن سابط، لیث بن ابوسَلِیم یا سُلَیم، جریر بن حازم، ابوداؤد، یونس بن حَبِیب یا حُبَیب، عبداللہ بن جعفر اور ابوبکر بن فورک کے ذریعے سے روایت کی گئی ہے۔

ان راویوں میں سے لیث بن سلیم پر اس کے ضعف حفظ کی وجہ سے بہت جرح کی گئی ہے، اس لیے کہ وہ روایات کو خلط ملط کر دیتا تھا۔ ضعف حفظ کی وجہ سے لیث کی روایات عموماً قابل قبول نہیں ہیں۔

اسی طرح کا متن ابویعلیٰ، رقم ۸۷۳ میں روایت کیا گیا ہے، تاہم اسی سند سے مروی ہونے کی وجہ سے درج بالا روایت کی طرح اس میں بھی وہی ضعف پایا جاتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سنن الدارمی، رقم ۲۱۰۱ میں اس روایت کا مضمون مختلف الفاظ میں روایت کیا گیا ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد روایت کیا گیا ہے:

أول دينكم نبوة ورحمة، ثم ملك ورحمة، ثم ملك أعفر، ثم ملك وجبروت يستحل فيها الخمر والحرير.

''تمھارا پہلا دین نبوت اور رحمت تھی، پھر اہل حکومت ہو گی، پھر ظالمانہ حکومت ہو گی، جس میں شراب اور ریشم حلال کی جائے گی۔''

یہ روایت ابوثعلبہ الخشنی نے مکحول کے ذریعے سے روایت کی ہے، تاہم اسماء الرجال کے ماہرین کی راے یہ ہے کہ مکحول کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر سے ملاقات ثابت نہیں جن کی طرف وہ اپنی روایات کو منسوب کرتا ہے۔ ''جامع التحصیل'' میں خاص طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مکحول نے اپنی اکثر روایات ابوثعلبہ الخشنی کی طرف منسوب کی ہیں، جبکہ مکحول کی ابوثعلبہ الخشنی سے براہ راست سماعت ثابت نہیں ہے۔ سند کے اس انقطاع کے سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہے۔

ترمذی، رقم ۲۲۲۶ میں روایت کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الخلافة في أمتي ثلاثون سنة، ثم ملك بعد ذلك.

''میری امت میں تیس سال نیک حکومت ہو گی، اس کے بعد بادشاہت ہو گی۔''

اس روایت کو درج کرنے کے بعد امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے جو کہ صحیح سے کم درجے کی روایت ہے۔ امام ترمذی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ روایت صرف سعید بن جمہان ہی کے ذریعے سے روایت کی گئی ہے۔ اسماء الرجال کے علما نے سعید بن جمہان کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ بعض علماے رجال ان کو ثقہ اور بعض غیر ثقہ گردانتے ہیں[1]۔ سعید بن جمہان ہی سے اسی طرح کی ایک روایت معمولی اختلافات کے ساتھ ابن حبان، رقم ۶۶۵۷، ۶۹۴۳، ابوداؤد، رقم ۴۶۴۶-۴۶۴۷، سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۸۱۵۵ اور احمد، رقم ۲۱۹۶۹، ۲۱۹۷۳، ۲۱۹۷۸ میں بھی روایت کی گئی ہے۔

ابوداؤد، رقم ۴۶۳۵ میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خلافة نبوة، ثم يؤتي الله الملك من يشاء.

''ایک نبوی حکومت ہو گی، پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا، حکومت دے دے گا۔''

---

[1] ملاحظہ کیجیے: المحلیٰ، ابن حزم ۹/۱۸۵، مجمع الزوائد، ہیثمی ۱۰/۲۷، عون المعبود، شمس الحق العظیم آبادی ۱۰/۱۶۳، الکاشف، ذہبی ۱/۴۳۳ اور میزان الاعتدال، ذہبی ۳/۱۹۳۔

یہ روایت احمد، رقم ۲۰۴۶۳، ۲۰۵۲۲، ۲۰۵۲۴ اور مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۰۴۸۲ میں بھی روایت کی گئی ہے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی علی بن زید بن جدعان ہے۔ علی بن زید کو ایک ضعیف راوی، غلطی سے مرفوع سند بیان کرنے اور سند میں تبدیلی کر کے روایات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والے کے طور پر گردانا گیا ہے۔[۲]

حاصل بحث

اس بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس روایت کی کوئی ایک ایسی سند نہیں ہے جو ثقہ راویوں پر مشتمل ہو کہ ہم اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر سکیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں اس روایت کو احتیاطاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرار نہیں دیا جا سکتا۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲؎ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے: الضعفاء الکبیر، عقیلی ۳/ ۲۲۹ اور تذکرۃ الحفاظ، ذہبی ۱/ ۱۴۰۔

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

رسولوں کا اتمام حجت

یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی گئی ہے۔ اِس کا لازمی نتیجہ جزا و سزا ہے جس کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ اِس کو اُسی معیار پر ثابت کر دینے کے لیے جس معیار پر سائنسی حقائق معمل (laboratory) کے تجربات سے ثابت کیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بارہا ایک قیامت صغریٰ اِسی دنیا میں برپا کر کے دکھائی ہے۔ اِس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا، وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کی طرف چاہتا، اپنا رسول بھیجتا جو اُس پر اتمام حجت کرتا، پھر پورے انصاف کے ساتھ اُس قوم کا فیصلہ اِسی دنیا میں کر دیا جاتا تھا۔ اِس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ماننے والے نجات پاتے اور منکرین پر خدا کا عذاب آ جاتا جس کے نتیجے میں وہ زمین سے مٹا دیے جاتے یا ہمیشہ کی ذلت کے ساتھ محکومی کے عذاب میں مبتلا کر دیے جاتے تھے۔ قوم نوح، عاد و ثمود، قوم لوط اور اِس طرح کی بعض دوسری قوموں کے جو واقعات قرآن میں بیان ہوئے ہیں، وہ اِسی عذاب کی سرگذشتیں ہیں۔

قرآن کا ارشاد ہے کہ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بغیر یہ عذاب کسی قوم پر کبھی نہیں آیا۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ 'وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'* (ہم کبھی سزا نہیں دیتے، جب تک ایک رسول نہ بھیج دیں)۔ اِس پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ اتمام حجت کس طرح ہوتا ہے؟ قرآن کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

اولاً، خدا کا رسول دنیا میں موجود ہو اور وہ کسی قوم کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے۔

---

* بنی اسرائیل ۱۷: ۱۵۔

ثانیاً، قوم کو اتنی مہلت دی جائے کہ اُس کے لوگ اگر چاہیں تو رسول کو آکر دیکھیں اور اُس کی زبان سے براہ راست خدا کا پیغام سنیں، اِس لیے کہ روے وآواز پیمبر معجزہ ست۔

ثالثاً، رسول اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ خدا کی معیت کا ظہور اُن کی آنکھوں کے سامنے اور اِس شان کے ساتھ ہو جائے کہ اُس کے بارے میں کوئی دوسری راے قائم کرنا ممکن نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِس کے بعد کسی کے لیے کوئی عذر خدا کے حضور میں پیش کرنے کے لیے باقی نہیں رہ جاتا: 'لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ'*۔ چنانچہ ماننے والوں کے لیے ممکن ہو تو اُنھیں، ورنہ فرشتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ عذاب کا تازیانہ منکرین کی پیٹھ پر برسا دیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے رسول تھے اور خدا کی زمین پر یہ قیامت صغریٰ آخری مرتبہ برپا کر دینے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ لہٰذا آپ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کے ساتھیوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ آپ کے منکرین پر عذاب کا فیصلہ نافذ کریں۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

چنانچہ مشرکین عرب کے بارے میں فرمایا:

فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡہُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ وَخُذُوۡہُمۡ وَاحۡصُرُوۡہُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَہُمۡ کُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَہُمۡ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (التوبہ ۹: ۵)

''پھر جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

اِسی طرح عرب کے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَلَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمۡ صٰغِرُوۡنَ. (التوبہ ۹: ۲۹)

''اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور محکوم بن کر رہیں۔''

---

* النساء ۴: ۱۶۵۔

اِن آیتوں کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ اِن کا حکم سرزمین عرب کے مشرکین اور اہل کتاب کے لیے خاص تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو لوگ آپ کے جانشین ہوئے، اُنھوں نے جزیرہ نماے عرب سے باہر کی بعض قوموں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو اِن آیتوں میں عرب کے اہل کتاب کے لیے مذکور ہے۔ یہ، ظاہر ہے کہ ایک اجتہادی فیصلہ تھا جسے غلط بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور صحیح بھی۔ ہمارے نزدیک صحابۂ کرام کا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اوپر جو چیزیں رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے لیے ضروری قرار دی گئی ہیں، وہ سب اِن قوموں کے معاملے میں بھی ہر لحاظ سے پوری ہو گئی تھیں۔ اِس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِسی دنیا میں تھے، جب آپ نے اپنے ایلچی بھیج کر اِن قوموں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دی۔ زمانۂ رسالت کی تاریخ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ آپ نے اِن کے سربراہوں کو خط لکھ کر متنبہ فرمایا کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور آپ کی طرف سے دعوت کے بعد اب اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں سلامتی کی یہی راہ باقی رہ گئی ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یہ خط نجاشی شاہ حبش، مقوقس شاہ مصر، خسرو پرویز شاہ فارس، قیصر شاہ روم، منذر بن ساوی حاکم بحرین، ہوذہ بن علی صاحب یمامہ، حارث بن ابی شمر حاکم دمشق اور جیفر شاہ عمان کو لکھے گئے۔ اِن کے مضمون میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ ہم قیصر روم کے نام آپ کا خط یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔ اِس سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ خط کس اسلوب میں اور کس شان اور اذعان کے ساتھ لکھے گئے تھے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم. من محمد عبد اللّٰه و رسوله إلی هرقل عظیم الروم. سلام علی من اتبع الهدیٰ. أما بعد، فإني أدعوك بدعایة الإسلام. أسلم تسلم، یؤتك اللّٰه أجرك مرتین. فإن تولیت فإن علیك إثم الأریسیین، و یا أهل الکتٰب، تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم ألا نعبد إلا اللّٰه و لا نشرك به شیئًا و لا یتخذ بعضنا بعضًا أربابًا من دون اللّٰه، فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون. (بخاری، رقم ۷)

”اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد کی طرف سے روم کے حکمران ہرقل کی طرف۔ اُس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اِس کے بعد میں تمھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ تم مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اللہ تم کو اِس کا دہرا اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن منہ موڑو گے تو تم پر تمھاری رعایا کا گناہ بھی ہے۔ اے اہل کتاب، اُس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائیں اور نہ ہم میں سے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔ پھر
وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم ہیں۔‘‘

۲۔ یہ خطوط حدیبیہ سے واپسی کے بعد محرم ۷ ؍ہجری میں لکھے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس کے بعد کم و بیش چار سال تک دنیا میں رہے۔ اِس عرصے میں آپ نے تبوک کا سفر بھی کیا جو رومیوں کی طرف سے کسی اقدام کے اندیشے ہی کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ یہ مدت کم نہیں تھی۔ اِن قوموں کے لوگ اور اِن کے اعیان و اکابر اگر چاہتے تو آپ سے آ کر مل سکتے اور خدا کی زمین پر خدا کے آخری پیغمبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے۔

۳۔ خدا کی معیت کا جو ظہور بدر و احد، احزاب اور خیبر کے معرکوں میں جزیرہ نماے عرب کے مشرکین اور اہل کتاب کے لیے ہوا اور جس کے نتیجے میں اُن کے لیے سزا کا اعلان کر دیا گیا، وہ اِن سب قوموں کے لیے بھی اُس وقت ہو گیا، جب قرآن کی صریح پیشین گوئیوں کے مطابق قریش مکہ اپنی تمام قوت و شوکت کے باوجود مغلوب ہو گئے، اُن کی پوری قیادت ہلاک کر دی گئی، مکہ فتح ہو گیا، خدا کے اولین معبد کی تولیت اُن سے لے لی گئی، عرب کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے، دین کو تمکن حاصل ہوا، خدا کی شریعت نافذ کر دی گئی اور کسی دوسرے دین کا اقتدار سرزمین عرب میں باقی نہیں رہا۔ پھر یہی نہیں، اِن قوموں کے خلاف جب اقدام شروع ہوا تو اِن کی وہ سلطنتیں بھی ریت کے گھروندوں کی طرح بکھر کر ہوا میں اڑ گئیں جن کے حکمرانوں کو بتا دیا گیا تھا کہ خدا کے رسول کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اُنھیں لازماً مغلوب ہو کر رہنا ہے۔ اِس کے بغیر اب اُن کی بادشاہی خدا کی زمین پر قائم نہیں رہ سکتی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ سب تاریخ کے ناقابل تردید حقائق ہیں جو اُس زمانے کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوئے۔ صحابۂ کرام نے جو کچھ کیا، اِنھی کی بنیاد پر کیا۔ وہ اپنی دعوت میں اِن کی طرف توجہ بھی ضرور دلاتے ہوں گے۔ اُن کے بارے میں اِس سوءظن کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اِس کے بغیر ہی کسی فرد یا گروہ کے خلاف اقدام کر ڈالتے تھے۔

[۲۰۱۴ء]

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت سالم کے والد معقل (عبید: ابن اثیر) تخت جمشید کے قریب آباد قدیم ایرانی شہر اصطخر (شاذ روایت: کرمد) کے رہنے والے تھے۔ حضرت سالم ابوحذیفہ بن عتبہ کے حلیف اور لے پالک تھے، اس لیے عرب کی روایت کے مطابق انھی سے منسوب کیے جاتے تھے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ انصار اوس کی ایک خاتون ثبیتہ بنت یعار (لیلیٰ: ابن حبان، فاطمہ: ابن شاہین، سلمیٰ: امام بخاری) کے آزاد کردہ تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں: ثبیتہ بنت یعار ابوحذیفہ کی بیوی تھیں، انھوں نے نسبت موالات قائم کیے بغیر حضرت سالم کو آزاد کیا اور کہا: تو جس کا چاہتا ہے، حلیف بن جا۔ تب ابوحذیفہ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور اپنی بھانجی ہند (فاطمہ: موطا امام مالک، ابن حجر) بنت ولید بن عتبہ سے ان کی شادی کر دی (بخاری، رقم ۵۰۸۸)۔ جب اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کیا: 'اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَ ھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ'، ''لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے ہاں زیادہ قرین انصاف ہے۔ اور اگر تمھیں ان کے آبا کا علم ہی نہ ہو تو تمھارے دینی بھائی اور رفقا ہیں'' (الاحزاب ۳۳: ۵) تو تمام متبنیٰ اپنے باپوں کو لوٹا دیے گئے اور جس کے باپ کا علم نہ تھا، اسے اپنے مولیٰ (آزاد کرنے والے) کو دے دیا گیا۔ تب حضرت سالم ابن ابوحذیفہ کے بجائے حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ابوحذیفہ سے موالات رکھنے کی بنا پر انھیں مہاجر اور اوس کی شاخ بنوعبید سے تعلق رکھنے والی خاتون ثبیتہ سے آزادی حاصل کرنے کی وجہ سے انصاری شمار کیا جاتا ہے۔ ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت سالم کا نسب معلوم نہ تھا، اس لیے انھیں ''سالم، صالحین میں سے ایک'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ ابوعبداللہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت سالم کی کنیت تھی۔

حضرت سالم ان جلیل القدر اصحاب رسول میں سے ایک تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* کے نام سے پکارا ہے۔ نفوس قدسیہ کی اس فہرست میں ان کا شمار باونواں ہے۔

'اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ'، ''وہ اہل ایمان جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا محض اس وجہ سے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے'' (الحج ۲۲: ۴۰)، مکہ کے اہل ایمان نے بارہ برس کی ابتلاؤں سے بھرپور زندگی گزار لی تو مدینہ کے السابقون الاولون نصرت اسلام کے لیے آگے بڑھے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دے دیا۔ حضرت سالم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینہ منتقل ہو گئے۔ غالب امکان ہے کہ وہ اور ان کے آقا ابوحذیفہ بن عتبہ ان بیس اصحاب میں شامل تھے جنھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر ہجرت کیا۔ یہ دونوں حضرت سلمہ کے مہمان ہوئے۔ حضرت سالم کو سب سے زیادہ قرآن مجید حفظ تھا اور اس کی قراءت بھی خوبی سے کرتے تھے، اس لیے مکہ سے مہاجرین کی امامت کرتے مدینہ آئے، قبا کے قریب عصبہ کے مقام پر ٹھہرے اور یہاں بھی نو واردان مدینہ کو نماز پڑھاتے رہے۔ تب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف نہ لائے تھے۔ حضرت عمر، حضرت ابوسلمہ، حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم ان کے مقتدیوں میں شامل ہوتے (بخاری، رقم ۶۹۲، ۷۱۷۵)۔ حضرت ابوبکر قبا پہنچے تو وہ بھی حضرت سالم کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی تو حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ حضرت معاذ بن ماعص کے مہاجر بھائی ٹھہرے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح سے ان کی مواخات والی روایت منقطع ہے۔ مواخات کے نئے بندھن میں بندھنے والے پینتالیس مہاجرین کو پینتالیس انصار کے ساتھ بھائی چارے اور وراثت کا حق حاصل ہوا۔ جنگ بدر کے موقع پر حکم ربانی 'وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ'، ''رحم کا رشتہ رکھنے والے اللہ کے حکم میں ایک دوسرے پر زیادہ حق رکھتے ہیں'' (الانفال ۸: ۷۵) نازل ہوا تو میراث میں مواخات منسوخ ہو گئی۔

حضرت سالم بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوحذیفہ کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: سالم مردوں کی طرح عاقل و بالغ ہو

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

گیا ہے۔ وہ میرے پاس (بے تکلف) آتا جاتا ہے، مجھے لگتا ہے کہ ابوحذیفہ اسے برا سمجھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دودھ پلا دو، وہ تمھارے لیے محرم بن جائے گا (پھر اس پر محرموں کے احکام لاگو ہو جائیں گے) (مسلم، رقم ۳۵۹۱)۔ حضرت سہلہ نے کہا: میں اسے کیسے دودھ پلاؤں، وہ تو (ڈاڑھی مونچھ والا) بڑا آدمی ہے؟ آپ مسکرائے اور فرمایا: میں جانتا ہوں کہ وہ (بچہ نہیں) بڑا ہے (مسلم، رقم ۳۵۹۰)۔ دودھ پلائی کے بعد حضرت سہلہ بنت سہیل پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر مبعوث کیا ہے، میں اب ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگوار تاثرات نہیں دیکھتی (نسائی، رقم ۳۳۲۲)۔ سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ سے مشترکہ روایت ہے کہ حضرت سہلہ نے کہا: یا رسول اللہ، ہم تو سالم کو بچہ ہی سمجھتے رہے، وہ میرے اور ابوحذیفہ کے ساتھ ایک ہی مکان (تنگ مکان: احمد، رقم ۲۵۷۸۹) میں رہتا ہے اور مجھے کام کاج کے مختصر کپڑوں میں دیکھتا رہتا ہے۔ اللہ نے ایسے ملازمین کے بارے میں جو حکم نازل کر رکھا ہے، اس کی روشنی میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اسے دودھ پلا دو۔ چنانچہ حضرت سہلہ نے حضرت سالم کو پانچ بار (دس بار: احمد، رقم ۲۶۱۹۳) دودھ پلایا تو وہ ان کے رضاعی بیٹے کے مانند ہو گیا۔ سیدہ عائشہ اپنی بہن ام کلثوم بنت ابوبکر، بھتیجیوں اور بھانجیوں کو گھر میں آنے جانے والے ملازموں کے باب میں اسی طریقے پر عمل کرنے کا مشورہ دیتی تھیں، تاہم سیدہ ام سلمہ اور باقی ازواج النبی نے پسند نہ کیا کہ گود میں بٹھائے بغیر اس طرح کی دودھ پلائی کے ذریعے سے وہ کسی شخص کو اپنے گھر میں داخل کر لیں۔ وہ سیدہ عائشہ سے کہتی تھیں: ہمیں نہیں معلوم، شاید یہ ایک رخصت ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض سالم کے لیے جائز قرار دی ہو (مسلم، رقم ۳۵۹۵۔ ابوداؤد، رقم ۲۰۶۱۔ موطا امام مالک، رقم ۱۱۳۴)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

غزوۂ احد میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا، آپ کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا، جو خود آپ نے پہن رکھا تھا، بدبخت ابن قمئہ کے وار سے اس کے کڑے آپ کے رخسار میں دھنس گئے اور پیشانی مبارک پر بھی زخم آیا۔ آپ اس گڑھے میں گر گئے جو ایک دوسرے مشرک ابوعامر نے کھود رکھا تھا اور بے ہوش ہو گئے۔ قتادہ کی روایت ہے کہ ایسے میں حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ آئے، آپ کو بٹھایا اور روے مبارک سے خون پونچھا۔ آپ ہوش میں آئے تو فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا، حالاں کہ وہ اسے اللہ کی طرف بلا رہا ہے (جامع البیان، طبری ۴/ ۸۶)۔

فتح مکہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو قبیلۂ بنو جذیمہ کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ بنو جذیمہ کے لوگوں نے ہتھیار اٹھائے تو حضرت خالد نے کہا: لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، اب اسلحہ اٹھانے

کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص جحدم نے کہا: میں ہرگز ہتھیار نہ ڈالوں گا۔ یہ خالد ہے، ہتھیار پھینکنے کے بعد قید کر لیتا ہے اور پھر گردن اڑا دیتا ہے۔ قبیلہ کے لوگوں نے اس سے اتفاق نہ کیا، ڈانٹ ڈپٹ کر اس سے اسلحہ چھینا اور خود بھی ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد حضرت خالد نے واقعی قتل و غارت شروع کر دی اور مارنے کے علاوہ کئی لوگوں کو مشکیں کس کر قید کر لیا۔ اگلی صبح انھوں نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ نے اپنے اپنے قیدی کو آزاد کر دیا اور کہا: ہم اپنے قیدیوں کو قتل نہ کریں گے۔ پھر یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا معاملہ بتایا۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا کسی نے ان کو منع بھی کیا تھا؟ لوگوں نے بتایا: ہاں، سنہری (سفید) رنگ کے ایک میانہ قد شخص نے اور ایک لمبے سرخ رو آدمی نے حضرت خالد کو روکا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ، میں ان دونوں کو جانتا ہوں۔ ایک میرا بیٹا عبداللہ ہے اور دوسرے سالم مولیٰ ابوحذیفہ ہیں۔ حضرت خالد نے ایک کو ڈانٹ پلا کر بٹھا دیا اور دوسرے کے ساتھ سخت بحث کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بلند کر کے دو بار اظہار براءت کیا: اے اللہ، میں خالد کی کارروائی سے بری الذمہ ہوں (بخاری، رقم ۴۳۳۹۔ احمد، رقم ۶۳۸۲)۔ آپ جنگ حنین سے فارغ ہوئے تو حضرت علی کو مال مویشی اور نقدی دے کر فرمایا: جاؤ، ان کا معاملہ دیکھو اور جاہلی رسوم پامال کر دو۔ چنانچہ حضرت علی نے مقتولین کی دیتیں ادا کیں، ان کا پائی پائی کا نقصان پورا کرنے کے بعد بچا ہوا مال بھی ان کے حوالے کر دیا اور کہا: 'احتیاطاً لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم'۔

۱۱ھ (دسمبر ۶۳۲ء) میں جنگ یمامہ ہوئی۔ انصار کا علم ثابت بن قیس اٹھائے ہوئے تھے، جبکہ مہاجرین کا پرچم حضرت زید بن خطاب (عبداللہ بن حفص: ابن اثیر) کے پاس تھا۔ حضرت زید کی شہادت کے بعد یہ حضرت سالم کے پاس آ گیا۔ انھوں نے کہا: مجھے نہیں علم، پرچم مجھے کیوں تھمایا گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: آپ قرآن کے عالم ہیں۔ اسی طرح ثابت قدم رہیں گے، جس طرح آپ کے پیش رو حضرت زید بن خطاب اپنی شہادت تک رہے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ہمیں خدشہ ہے کہ آپ کی جانب سے ہم پر حملہ کر دیا جائے گا۔ جواب دیا: میں قرآن مجید کا برا حامل ہوں گا اگر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ دوران جنگ میں حضرت سالم کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو کٹے ہوئے بازوؤں کی مدد سے گلے سے لگا لیا اور 'وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ'، ''محمد تو بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں'' (اٰل عمرٰن ۳: ۱۴۴) اور 'وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ'، ''اور بہت سے نبی ہیں جن کے ساتھ مل کر خدا ترس علما کے ایک بڑے گروہ نے قتال کیا'' (اٰل عمرٰن ۳: ۱۴۶) کا ورد کرنے لگے، پھر اسی حالت میں گر کر شہید ہو گئے۔ جان

نکلنے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ابوحذیفہ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے بتایا: وہ شہید ہو گئے۔ پھر ایک اور صحابی کے بارے میں پوچھا: ان کی بھی شہادت ہو چکی تھی۔ حضرت سالم نے کہا: مجھے ان دونوں کے درمیان میں لٹا دو۔ ایک روایت ہے کہ مسیلمہ اور بنوحنیفہ کے خلاف جنگوں میں مسلمانوں کو تین مرتبہ شکست ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس اور حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اس طرح نہ لڑا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے لیے قبر کھودی اور مہاجرین کا علم لے کر اس میں گھس گئے، پھر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اختتام جنگ پر حضرت سالم کا سر ابوحذیفہ کے پاؤں کے پاس اور ابوحذیفہ کا سر ان کے پاؤں کے پاس تھا (مستدرک حاکم، رقم ۵۰۰۰)۔ یوں ان کی وصیت پوری ہوئی۔

حضرت سالم کی شہادت کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکر نے ان کا ترکہ حضرت ابوحذیفہ کی بیوہ حضرت ثبیتہ کے پاس بھیجا تو انھوں نے کہا: میں نے حضرت سالم کو موالات کی شرط عائد کیے بغیر اللہ کی خاطر آزاد کیا تھا۔ حضرت عمر خلیفہ بنے تو انھوں نے حضرت ثبیتہ کو ترکہ لینے کی باردگر پیش کش کی۔ وہ نہ مانیں تو انھوں نے اسے بیت المال میں داخل کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے حضرت سالم کی میراث بیچی تو دوسو درہم حاصل ہوئے، یہ رقم انھوں نے ان کی رضاعی والدہ کو سونپ دی اور کہا: اسے استعمال کر لیں۔ حضرت سعید بن مسیّب سے مروی روایت بالکل مختلف ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت سالم نے وصیت کی کہ ان کا ایک تہائی مال اللہ کی راہ میں دے دیا جائے، ایک تہائی سے غلام آزاد کر دیے جائیں اور ایک تہائی ان سے نسبت موالات رکھنے والوں کو سونپ دیا جائے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۳ھ میں بدبخت ابولؤلؤہ فیروز نے خلیفۂ دوم حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ کیا۔ وہ شدید زخمی تھے اور بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ لوگوں نے کہا: امیر المومنین، آپ اپنا جانشین مقرر کر جاتے تو اچھا ہوتا۔ حضرت ابوبکر نے ایسا کیا اور لوگوں نے ان پر اعتماد کیا۔ جواب دیا: میں کسے خلیفہ بناؤں؟ اگر ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو انھیں خلافت سونپ دیتا اور اگر میرا رب پوچھتا تو کہتا: میں نے تیرے نبی کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ''یہ اس امت کے امین ہیں۔'' اگر حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ حیات ہوتے تو انھیں ہی اپنا جانشین بنا جاتا۔ میرا رب پوچھتا تو کہتا: میں نے تیرے نبی کو یہ ارشاد فرماتے سنا تھا کہ ''سالم اللہ کے ساتھ دل کی گہرائی سے، شدید محبت رکھتے ہیں۔'' (حلیۃ الاولیاء، رقم ۵۷۴)۔ ذہبی کہتے ہیں: ایسا تب ہوتا اگر حضرت عمر کے نزدیک غیر قریش کی امامت درست ہوتی۔ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ مولیٰ اسی قوم میں شمار ہوتا ہے جس سے اس کا رشتۂ موالات ہو۔ اس لحاظ سے حضرت سالم قریشی ہی سمجھے جائیں گے، کیونکہ وہ قریش کا حلیف ہونے کی عصبیت رکھتے تھے۔ وہ بار خلافت اٹھانے کی پوری شرائط رکھتے تھے، اگرچہ صریح النسب

قریشی نہ تھے، پھر بھی قریش کی قبائلی وسیاسی عصبیت ان کو حاصل تھی (تاریخ ابن خلدون، مقدمہ ۲۰۵) بیسویں صدی کے شیعہ عالم علی اصغر رضوی کا کہنا ہے کہ امت کی بدقسمتی ہے کہ اس وقت حضرت سالم کا انتقال ہو چکا تھا۔ اگر حضرت عمر کو حضرت سالم کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا واقعی موقع ملا ہوتا تو وہ بہترین خلیفہ ثابت ہوتے۔

حضرت سالم سے دو احادیث مروی ہیں: ایک بغوی نے اور دوسری ابن شاہین نے نقل کی ہے، لیکن دونوں منقطع السند ہیں۔ مالک بن دینار کسی انصاری بزرگ کے واسطے سے حضرت سالم کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت کچھ ایسے لوگ پیش کیے جائیں گے جن کے پاس تہامہ کے پہاڑوں جتنا نیکیوں کا انبار ہو گا۔ پیشی کے بعد اللہ ان کے اعمال کی دھول اڑا دے گا اور انھیں دوزخ میں جھونک دے گا۔ حضرت سالم نے پوچھا: یارسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، ان لوگوں کی نشانیاں بتائیے تاکہ ہم ان کو پہچان سکیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان میں شامل نہ ہو جاؤں، فرمایا: سالم، یہ لوگ نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے تھے، لیکن جب حرام ان کے سامنے آتا تھا، اس پر پل پڑتے تھے، اس لیے اللہ نے ان کے اعمال کو بے ثمر کر دیا ہے۔ (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۶/ ۲۴۴)

حضرت سالم قرآن کریم کے علوم سے بہت شغف رکھتے تھے۔ ان علوم میں ان کی مہارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت ہوتی ہے جو آپ نے صحابۂ کرام کو تلقین کیا: قرآن چار آدمیوں سے سیکھو: عبداللہ بن مسعود سے، ابوحذیفہ کے حلیف سالم سے، ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے (بخاری، رقم ۳۸۰۶۔ مسلم، رقم ۶۴۲۰)۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک رات میں نے عشا کے بعد دیر لگا دی۔ آپ کے پاس پہنچی تو دریافت فرمایا: تم کہاں تھیں؟ میں نے بتایا: آپ کے ایک صحابی کی تلاوت سن رہی تھی، اس جیسی آواز اور اس طرح کی قراءت میں نے کسی سے نہیں سنی۔ آپ اٹھے (اور چادر اوڑھ کر حجرے سے باہر آئے)، میں بھی آپ کے ساتھ نکلی۔ قاری کی قراءت سننے کے بعد آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: یہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں اس جیسا شخص پیدا کیا (ابن ماجہ، رقم ۱۳۳۸۔ احمد، رقم ۶۸۳۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۵۰۰۱)۔ حضرت زید بن ثابت بتاتے ہیں کہ حضرت سالم کی شہادت کے بعد لوگ کہتے تھے کہ ربع قرآن رخصت ہو گیا۔

خلیفۂ دوم حضرت عمر نے اپنی شہادت سے پہلے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: سالم (بہ فرض محال) اللہ سے ڈرنے والے نہ ہوتے تو بھی اس کی نافرمانی نہ کرتے، یعنی وہ اللہ کی اطاعت خوف سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نہیں، بلکہ تقاضاے محبت سے کرتے تھے (حلیۃ الاولیاء، رقم ۵۷۳)۔ حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ ایک بار اہل مدینہ کو خطرہ پیش آیا تو میں حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ کے پاس آیا۔ وہ تلوار کی پیٹی ٹانگوں کے گرد لپیٹ کر بیٹھے تھے۔ میں نے بھی تلوار سونت لی اور اس کا پرتلا ٹانگوں کے گرد لپیٹ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو، خطرات میں تمھاری جاے پناہ اللہ اور اس کے رسول ہونے چاہییں۔ پھر ارشاد کیا: تم نے ایسا کیوں نہیں کیا، جس طرح ان دو اہل ایمان نے کیا ہے (احمد، رقم ۱۷۷۳۷)۔

ایک بار حضرت عمر بن خطاب نے اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے افراد کو اپنی اپنی خواہشیں بیان کرنے کو کہا۔ ایک شخص نے اپنی تمنایوں بیان کی: میرا دل چاہتا ہے کہ یہ حویلی درہموں سے لبریز ہو اور میں وہ سب راہ خدا میں انفاق کر دوں۔ دوسرے نے کہا: میری خواہش ہے کہ یہ گھر سونے سے بھرا ہو اور میں سارا سونا اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ تیسرے کا کہنا تھا: میری آرزو ہے کہ یہ گھر زمرد اور جواہرات سے پر ہو اور میں انھیں اللہ کی خاطر لٹا دوں۔ حضرت عمر نے پھر کہا: اپنی تمنائیں بیان کرو۔ صحابہ نے کہا: امیر المومنین، ہماری سمجھ میں اور کچھ نہیں آتا۔ تب حضرت عمر نے کہا: میری خواہش تو یہ ہے کہ اس مکان میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل، حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ اور حضرت حذیفہ بن یمان جیسے لوگ رونق افروز ہوتے اور میں ان سب کو اللہ کی راہ میں عامل مقرر کر دیتا (مستدرک حاکم، رقم ۵۰۰۵۔ التاریخ الصغیر، امام بخاری ۳۱)۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء (ابونعیم اصفہانی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر (ابن خلدون)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، Wikipedia, the free encyclopedia (english & arabic)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امام حمید الدین فراہی

قرآنی تعلیم کے اصولی مسائل

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تعلیم قرآنی کے بنیادی مسائل دو حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں: عقائد اور اعمال۔

اعمال تین قسم کے ہیں: شخصی، منزلی، مدنی۔

عقائد کے بنیادی مسائل توحید، نبوت، معاد ہیں (اپنے دلائل کے ساتھ)۔

اعمال میں نماز ہے اور اسی کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔ زکوٰۃ ہے اور اسی کا جز روزہ ہے۔ مکارم اخلاق ہیں۔ (یعنی برّ و معروف جس کا ضد منکر ہے) اور پھر شہادت بالحق ہے۔ یہ اگرچہ شخصی اعمال ہیں، لیکن ان کا تعلق جماعت سے بھی ہے۔ اس کے بعد عدل وقسط اور اس کے بعد تعاون کا درجہ ہے۔

توحید کے ساتھ جبر وقدر اور وحدت الوجود کا تعلق ہے۔ پھر توحید اور نبوت کے ساتھ شفاعت کا تعلق ہے۔ معاد کے ساتھ جنت ودوزخ کی حقیقت کے مسائل ہیں۔

قسط میں میراث، نکاح اور معاملات داخل ہیں۔

تعاون میں خلافت، سیاست اور جہاد شامل ہیں۔

پھر اعمال کے سرچشمے اخلاق میں بھی ہیں، مثلاً محبت، صبر، عزم، تقویٰ اور عدل میں۔

ان میں سے بعض چیزیں باعتبار اصول باہم گتھی ہوئی ہیں۔ میں نے کتاب اللہ سے جو کچھ سمجھا ہے، اس کی روشنی میں بقدر ضرورت بعض مسائل پر گفتگو کروں گا۔

جہاد

ہمارے قدیم مفسرین کا خیال یہ تھا کہ آیت سیف[1] نے موعظت ونصیحت اور کفار ومشرکین کے لیے رخصت و رعایت کی بہت سی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ آیت سیف نے منسوخ تو نہیں کیا ہے، لیکن اسلام میں جہاد صرف دفاع کے لیے ہے۔ان کے خیال میں عہد نبوت میں جو غزوات ہوئے، ان سب کی نوعیت دفاعی ہے اور بعد میں خلفا اور صحابہ نے جو لڑائیاں لڑیں، وہ تمام تر ملوکانہ جنگیں تھیں۔ان کو جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے، بلکہ اصل حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وعدہ کی تکمیل کے لیے بھیجا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا اور آپ کو اس ذمہ داری کا وارث بنایا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس آیت کے بموجب ڈالی گئی تھی:

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. (البقرہ۲:۱۲۵)

’’یہ کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی خاتم کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کے دین کو اللہ تعالیٰ تمام ادیان پر غالب کرنے والا تھا۔اس مقصد کے لیے پہلے آپ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وعظ وتلقین فرمائیں کہ لوگ آپ کی باتوں کو سنیں اور مانیں اور اپنے حالات کی اصلاح کریں۔آپ کو قتال کی اجازت اس وقت تک نہیں دی گئی جب تک لوگوں پر اللہ کی حجت تمام نہیں ہو گئی اور تبلیغ کا فرض اچھی طرح ادا نہیں ہو گیا۔جب فرض تبلیغ اچھی طرح ادا ہو چکا تب آپ کو حکم ہوا کہ آپ خانۂ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرائیں اور عہد ابراہیمی کے بموجب دین حنیفی کو اس سرزمین میں ازسرنو تازہ کریں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس کے لیے قوت کو بھی استعمال کریں۔قوت کے استعمال کی یہ اجازت بھی آپ کو ہجرت کے بعد دی گئی۔ ’’ہجرت کے بعد‘‘ اس لیے کہ ہجرت سے پہلے جہاد، سوائے اس کے جو حفاظت نفس کے لیے ہو، سرتاسر ظلم وفساد[2] ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قتال محض دفاع کے لیے نہیں واجب ہوا، بلکہ کعبہ کو فتح

---

۱ آیت سیف سے مراد سورۂ توبہ کی آیت ’فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ‘، ’’جب احترام کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو اور ان کے لیے ہر جگہ گھات میں بیٹھو‘‘ (التوبہ۹:۵) ہے۔

کرنے اور بنی اسمٰعیل کے اندر دین حنیفی کو از سر نو قائم کرنے کے لیے ہوا۔

باقی رہے غیر بنی اسمٰعیل، تو ان کے ساتھ جہاد کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ان کو عدل وقسط پر قائم کیا جائے اور زمین کو فساد سے پاک کیا جائے۔ اہل کتاب اور غیر بنی اسمٰعیل کو دین کے معاملہ میں آزادی حاصل رہی۔ ان کے لیے ایمان نہ لانے کی صورت میں جزیہ کی راہ کھلی ہوئی تھی، لیکن بنی اسمٰعیل کے لیے اتمام حجت کے بعد یہ راہ کھلی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ ان کے اوپر انھی کے اندر کے ایک شخص کے ذریعہ سے حجت تمام کر دی گئی تھی۔ وہ ان کا دل اور ان کی زبان تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی باہر کے آدمی نہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر وعظ کہنے کے لیے بھیج دیا ہو، بلکہ آپ ان کے نخل فطرت کے ایک پختہ پھل تھے۔ آپ انھی کے اندر پیدا ہوئے، انھی کی برائیوں اور بھلائیوں کے اندر آپ کی نشو ونما ہوئی، لیکن آپ کی فطرت کی پاکیزگی نے ان کی تمام خوبیاں اپنے اندر جذب کر لیں اور ان کی ساری برائیاں پھینک دیں، یہاں تک کہ آپ اس شفاف روغن کے مانند بن گئے جو آگ کے چھوئے بغیر بھڑک جانے کے لیے آمادہ ہو۔ آپ ان کی صلاحیتوں کے مرکز، ان کے ترک واختیار کے لیے قوت تمیز اور ان کے ارادے کے لیے قلب کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کو ہدایت دے کر گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کے اندر آپ کی پوری امت کو اپنے آگے سرافگندہ کر دیا، کیونکہ آپ قلب کی منزلت میں تھے۔ جب قلب نے اطاعت کر لی تو تمام اعضا کے لیے یہی زیبا تھا کہ وہ بھی اطاعت کر لیتے۔ اس کی پوری تفصیل نبوت کی بحث میں ملے گی۔

پھر ظاہر اعتبار سے بھی صورت معاملہ اسی کی مقتضی تھی کہ اہل عرب آپ کی دعوت سے اعراض نہ کرتے، کیونکہ عرب کی سرداری قریش کو حاصل تھی اور قریش میں دینی پیشوائی کا منصب عبدالمطلب کو حاصل تھا، اور پھر عبدالمطلب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منتقل ہوا۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا:

أنــا الـنبـی لا کذب　　　　أنـا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے　　　　میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں

نیز آپ ملت ابراہیمی کی طرف لوٹنے اور اس قدیم میثاق کی تجدید کی دعوت دے رہے تھے، جس کو اہل عرب تسلیم کر رہے تھے، اس وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف پر کسی اعتراض کی گنجایش نہیں تھی۔ آپ جو کچھ کر رہے تھے، بالکل ٹھیک تھا۔ باغی اور مفسد وہ لوگ تھے جو اس دعوت کی مخالفت کر رہے تھے۔

لیکن جہاد کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رفع فساد کی خاطر جو لوگ جہاد کے لیے اٹھیں، ان کے لیے سب

---

۲ ہجرت سے قبل قتال میں جو قباحتیں ہیں، ان کی طرف مولانا نے اسی بحث کے آخر میں بعض مفید اشارات کیے ہیں۔ (مترجم)

سے مقدم خود اپنے آپ کو شائبۂ فساد سے پاک کرنا ہے، جب تک خلیفہ اور اس کے متبعین خود عدل پر قائم نہ ہوں، اس وقت تک ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدل قائم کرنے کے لیے تلوار لے کر اٹھیں۔ پھر اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگذشت اور ہجرت سے متعلق دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحب اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض شورش و بدامنی اور فتنہ و فساد ہے۔

پھر قتال کی اجازت حصول قوت کے بعد دی گئی ہے۔ حضرت شعیب کی سرگذشت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ انھوں نے فرمایا:

وَاِنۡ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡكُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ بَيۡنَنَا. (الاعراف ۷: ۸۷)

''اگر ایک جماعت تم میں سے اس چیز پر ایمان لائی ہے جس کو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور دوسری جماعت ایمان نہیں لائی ہے تو صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔''

مذکورہ بالا تین شرطوں کے ساتھ جہاد قیامت تک کے لیے واجب ہے۔ دین کے معاملہ میں جبر اور شورش و بدامنی جائز نہیں ہے، لیکن حق کی شہادت اور تبلیغ اور مجادلۂ حسنہ ہمیشہ ضروری ہے۔

(مجموعہ تفاسیر فراہی ۵۴-۵۶)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی

دنیا میں ناقص چیزوں کے وجود کی مصلحت

سوال: کائنات میں ناقص چیزیں کیوں پائی جاتی ہیں۔اسی طرح سے شر کا وجود کیوں ہے؟ جو آدمی الوہیت کے آفاقی دلائل پر غور کرتا ہے، اس کے لیے یہ آثار تو بظاہر الوہیت کے متضاد ہیں۔اصل صورت حال کیا ہے؟

جواب: دنیا میں ناقص چیزوں کے وجود سے متعلق مجھے سب سے زیادہ صحیح جواب وہ معلوم ہوتا ہے جو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے ایک شاگرد کو دیا تھا۔شاگرد نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ اے استاذ! دنیا میں یہ مادر زاد اندھے کیوں پائے جاتے ہیں؟ آخر انھوں نے پیدا ہونے سے پہلے کیا گناہ کیا جس کی ان کو یہ سزا ملی ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ یہ مادر زاد اندھے اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ آنکھ والوں کو بصیرت حاصل ہو۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس جواب سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں اگر اندھے، لنگڑے، اپاہج، کوڑھی، مفتور العقل پائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ نہ تو قدرت کی مشین کی خرابی ہے اور نہ یہ ہے کہ انھوں نے کچھ جرائم کیے تھے جن کی سزا میں وہ ناقص پیدا کیے گئے ہیں، بلکہ ان کے وجود سے مقصود اہل دنیا کے لیے درس عبرت مہیا کرنا ہے۔اس دنیا کو اس کے خالق نے اس کے وجود ہی میں ایک بہترین درس گاہ کی شکل میں ترتیب دیا ہے جس میں انسان کی آنکھیں کھولنے، اس کے دل کو بیدار رکھنے اور اس کی عقل کو رہنمائی دینے کے لیے قدم قدم پر اسباب و سامان موجود ہیں۔انسان خدا شناسی اور حقیقت رسی کے لیے جن چیزوں کا محتاج ہے، وہ ساری چیزیں اس گھر کے اندر ہی جمع کر دی گئی ہیں۔اس کی ایک ایک اینٹ پر حقیقت کا کوئی نہ کوئی نقش کندہ ہے۔ بلکہ عارفوں کے الفاظ میں

اگر میں بات کہوں تو یوں بھی کہہ سکتا ہوں کہ اس چمن کا ہر پتا معرفت کردگار کا ایک دفتر ہے۔

انسان کا حال آپ دیکھتے ہیں کہ اس کو جو چیز ملی ہوئی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ تو اس کو ملنی ہی تھی۔ وہ آنکھ کو، ہاتھ کو، پاؤں کو، عقل کو، صحت کو، غرض ہر چیز کو اپنا حق، اپنی ملکیت، اور اپنی جایداد سمجھنے لگتا ہے اور اس حماقت میں مبتلا ہو کر بالکل فرعون بن بیٹھتا ہے۔ جن نعمتوں کو پا کر اسے اپنے خالق و مالک کا شکر گزار بننا تھا، ان کے گھمنڈ میں وہ اتراتا اور اکڑتا ہے، جن قوتوں اور صلاحیتوں سے متمتع کیے جانے کے سبب سے اسے اپنے رب کی بندگی اور اطاعت میں سرگرم ہونا تھا، ان کو وہ اپنے رب ہی کی نافرمانی اور اسی کے خلاف بغاوت میں استعمال کرتا ہے۔ ایسے اندھوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے قدرت نے یہ انتظام کیا ہے کہ اس نے مادرزاد اندھے بھی پیدا کر دیے ہیں تاکہ اگر وہ دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکیں کہ خدا چاہتا تو انھیں بھی اسی حالت میں وہ پیدا کر سکتا تھا، لیکن یہ محض اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے ان کو آنکھوں والا بنایا۔ اسی طرح مذکورہ بالا قسم کے سائنس زدہ پاگلوں کو سبق دینے کے لیے قدرت نے بہت سے پاگل اور دیوانے بھی بنا چھوڑے ہیں تاکہ اگر یہ چاہیں تو یہ سبق حاصل کر سکیں کہ قدرت کے کارخانے میں یہ نمونے ڈھالنے والے سانچے بھی موجود تھے، لیکن یہ محض اس کا احسان ہے کہ ان کو اس نے عقل کی نعمت سے نوازا۔

www.javedahmadghamidi.com

غور کیجیے کہ یہ کتنی عظیم تعلیم ہے جو دنیا کی یہ ناقص چیزیں ان لوگوں کے لیے فراہم کر رہی ہیں جو ہر قسم کے خلقی نقص سے پاک ہیں۔ یہ ناقص چیزیں ایک طرف تو ہمیں اس بات کا سبق دیتی ہیں کہ قدرت کی یہ عظیم نعمتیں ہمیں بغیر کسی استحقاق کے محض اس کے فضل سے ملی ہوئی ہیں۔ اگر یہ نہ ملتیں تو کوئی نہیں تھا جو ہمیں یہ نعمتیں دے سکتا، ہمارا حال بھی آج یہ ہوتا کہ ہم سڑکوں کے کنارے بیٹھے ہوئے ہر گزرنے والے کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہوتے۔ دوسری طرف یہ اس بات کا سبق دیتی ہیں کہ اہل نعمت کی نعمتوں کا حق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے کام آئیں جو ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

آدمی اگر دنیا کی ناقص الخلقت چیزوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھے تو اسے ہر چیز زبان حال سے یہ کہتی ہوئی سنائی دے گی:

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہو

لیکن افسوس یہ ہے کہ آنکھیں رکھنے والوں میں عبرت نگاہی کا فقدان ہے اور کان رکھنے والے حقیقت نیوشی سے محروم ہیں۔

ممکن ہے، گفتگو کے اس موقع پر آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ قدرت نے ایک کو سبق دینے کے لیے دوسرے کو کیوں مصیبت میں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کے جواب میں، میں یہ عرض کروں گا کہ یہ کیوں کے بعد کیوں کا سلسلہ اگر شروع ہو گیا تو یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ اس کائنات کے بنانے والے نے یہی پسند فرمایا ہے کہ اس میں ایک کو دوسرے سے آزمائے 'كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ*'۔ اس نے ایک کو غریب، دوسرے کو تونگر، ایک کو کمزور، دوسرے کو قوی، ایک کو بینا اور دوسرے کو نابینا بنا کر دونوں کا امتحان کیا ہے اور یہ دیکھنا چاہا ہے کہ بینا، بینا ہو کر نابینا کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے اور ایک نابینا، نابینا ہو کر اپنے رب کا کیسا وفادار بندہ رہتا ہے۔

میں اس سلسلہ میں جو بات عرض کر سکتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو اگر اپنی کسی نعمت سے محروم رکھا ہے تو اس نعمت کی ذمہ داریوں اور مسئولیتوں سے بھی اس کو بری رکھا ہے۔ اب یہ راز اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کھلے گا کہ خوش قسمت وہ ہے جس نے آنکھیں پائیں، لیکن ان کا حق ادا نہیں کیا یا وہ خوش قسمت ہے جس کو نہ آنکھیں ملیں نہ ان کے حق کے بارے میں اس سے سوال ہوا۔

علیٰ ہٰذا القیاس یہ راز بھی آخرت ہی میں کھلے گا کہ جنھوں نے ملی ہوئی نعمتوں کا حق ادا کیا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں کا کیا معاوضہ دیتا ہے جن سے اس نے اس دنیا میں ان کو محروم رکھا۔ میں تو اجمالی طور پر صرف یہ ایمان رکھتا ہوں کہ جو لوگ آنکھیں پا کر دنیا میں اندھے بنے رہے، آخرت میں ان کے مقابل میں شاید وہ لوگ اچھے رہیں جو آنکھوں سے محروم رہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہوں کہ جنھوں نے ملی ہوئی نعمتوں کا دنیا میں حق ادا کیا ہوگا، وہ نہ ملی ہوئی نعمتوں کا آخرت میں انشاء اللہ وہ صلہ پائیں گے کہ نہال ہو جائیں گے۔

رہا آپ کا یہ سوال کہ اس دنیا میں شر کا وجود کیوں ہے؟ تو اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس دنیا میں شر محض کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہاں شر جو کچھ پایا جاتا ہے، اس کی حیثیت شر محض کی نہیں ہے، بلکہ وہ کسی خیر سے ضمناً پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار کا شرف عطا فرمایا ہے جو ایک عظیم خیر ہے، لیکن انسان اس خیر کو غلط استعمال کر کے اس سے بہت سے شر پیدا کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے پیدا کیے ہوئے بہت سے شرور کو اس دنیا میں جینے یا غالب ہونے کا موقع اگر دے دیتا ہے تو یہ بھی اس وجہ سے نہیں کہ شر سے اس کو کوئی محبت ہے، بلکہ یا تو اس وجہ سے دے دیتا ہے کہ اس نے ازل سے یہ قانون بنا رکھا ہے کہ وہ باطل کو بھی اتنی مہلت دے گا جتنی مہلت میں وہ اپنا پیمانہ بھر لے اور خدا کے سامنے پیش کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے یا اس وجہ سے

---

* الانعام ۶: ۵۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ کسی خیر کی تربیت کرنا یا اس کو نشوونما دینا چاہتا ہے۔

میں نے 'شرِ محض' کا جو لفظ استعمال کیا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ سب سے بڑا شر جس کو آپ شرِ محض قرار دے سکتے ہیں، وہ تو شیطان ہے، لیکن شیطان کیا چیز ہے؟ جنوں اور انسانوں کے اندر کے وہ افراد جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، وہی شیطان ہیں۔ اب غور کیجیے کہ جنات و انسان بجاے خود تو شر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو ان کو نہایت اچھی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، لیکن یہ خود اپنے ارادہ سے ابلیس کے نقش قدم کی پیروی کر کے گمراہ ہوتے ہیں اور پھر اس کی امت میں شامل ہو کر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

(تفہیم دین ۱۱۷-۱۲۰)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

O

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہم کو اُن کا دل کے ویرانے میں آنا یاد ہے
یاد ہے پھولوں کا ہر سو مسکرانا یاد ہے

چند لمحے، اک نگاہ ناز، پھر خواب و خیال
یاد ہے اُس شوخ سے دل کا لگانا یاد ہے

رحمت حق سے فقیروں پر ہے دونا التفات
ہاں مگر دنیا میں اُن کا آزمانا یاد ہے

عہد پیری میں وہی بچپن کی خو آنے لگی
اک ذرا سی بات پر آنسو بہانا یاد ہے

خود فراموشی میں اپنی ہوشیاری دیکھیے
مے کدے میں شیخ کا آنکھیں چرانا یاد ہے

لذت تعمیر بھی ہے وجہ تعمیر حیات
ریت سے دریا کنارے گھر بنانا یاد ہے

کیا سنائیں آپ کو اِس عاشقی کی داستاں

اُن کا آنا یاد ہے اور اُن کا جانا یاد ہے

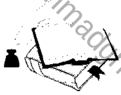

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

اشاریہ ماہنامہ ’’اشراق‘‘ ۲۰۱۴ء

قرآنیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	البیان: یونس ۱۰: ۲۰-۲۷ (۳)	جاوید احمد غامدی	۶
فروری	البیان: یونس ۱۰: ۲۸-۳۶ (۴)	〃	۵
مارچ	البیان: یونس ۱۰: ۳۷-۷۰ (۵)	〃	۵
اپریل	البیان: یونس ۱۰: ۷۱-۹۳ (۶)	〃	۶
مئی	البیان: یونس ۱۰: ۹۴-۱۰۹ (۷)	〃	۷
جولائی	البیان: ہود ۱۱: ۱-۲۴ (۱)	〃	۵
اگست	البیان: ہود ۱۱: ۲۵-۹۹ (۲)	〃	۶
ستمبر	البیان: ہود ۱۱: ۱۰۰-۱۲۳ (۳)	〃	۷
اکتوبر	البیان: یوسف ۱۲: ۱-۲۲ (۱)	〃	۵
نومبر	البیان: یوسف ۱۲: ۲۳-۳۴ (۲)	〃	۶
دسمبر	البیان: یوسف ۱۲: ۳۵-۵۳ (۳)	〃	۷

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معارف نبوی

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	صدقہ کے بارے میں ترغیب	امین احسن اصلاحی	۱۱
فروری	کڑکا سننے پر کیا کہنا چاہیے	؍	۱۱
؍	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کے بارے میں	؍	۱۲
مارچ	جھوٹ اور سچ کے بارے میں روایات	؍	۱۷
اپریل	صدقہ میں کیا چیز مکروہ ہے	؍	۱۵
؍	طلب علم کے بارے میں	؍	۱۸
؍	مظلوم کی بد دعا سے بچنے کے بارے میں	؍	۱۹
مئی	نظر بد کے سبب سے وضو کا حکم	؍	۱۲
؍	نظم اجتماعی سے علیحدگی کا حکم	معز امجد/ شاہد رضا	۱۶
جولائی	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء	امین احسن اصلاحی	۱۵
اگست	مال کے ضائع کرنے اور دوہرا چہرہ رکھنے کے بارے میں	؍	۳۱
؍	مسلمانوں کی ایک حالت	معز امجد/ شاہد رضا	۳۴
ستمبر	خاص لوگوں کے گناہوں کے باعث عام عذاب نازل ہونے کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۱۵
؍	حکمران، ائمۂ مساجد اور صحابۂ کرام	معز امجد/ شاہد رضا	۱۸
اکتوبر	خدا ترسی اور خشیت الٰہی کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۱۵
؍	تعظیم خداوندی کے تقاضے	معز امجد/ شاہد رضا	۱۷
نومبر	جہنم کی خصوصیات کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۱۲
دسمبر	مسلم حکمرانوں کے متعلق ایک پیشین گوئی	معز امجد/ شاہد رضا	۱۷

اس شمارے میں

جنوری	اس شمارے میں	شاہد رضا	۴

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
فروری	اس شمارے میں	شاہد رضا	۴
مارچ	اس شمارے میں	ً	۴
اپریل	اس شمارے میں	نعیم احمد	۴
مئی	اس شمارے میں	ً	۴
جون	اس شمارے میں	ً	۴
جولائی	اس شمارے میں	ً	۴
اگست	اس شمارے میں	ً	۴
ستمبر	اس شمارے میں	ً	۴
اکتوبر	اس شمارے میں	ً	۴
نومبر	اس شمارے میں	ً	۴
دسمبر	اس شمارے میں	ً	۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین و دانش

جولائی	روزہ	جاوید احمد غامدی	۱۹

نقطۂ نظر

جنوری	جزا کا خدائی قانون	محمد حسن الیاس	۴۱
مئی	نظم قرآن: ایک مطالعہ	نذیر احمد علائی	۳۵
جولائی	دین یا لادینیت ــــ ایک عقلی جائزہ	ڈاکٹر عدیل احمد	۲۳
اگست	بعد از موت (۱)	رضوان اللہ	۴۵
ستمبر	بعد از موت (۲)	ً	۳۳

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اکتوبر	عورت کی دیت (۱)	پروفیسر خورشید عالم	۳۱
"	بعد از موت (۳)	رضوان اللہ	۴۱
نومبر	عورت کی دیت (۲)	پروفیسر خورشید عالم	۲۸
"	بعد از موت (۴)	رضوان اللہ	۴۱

نقد و نظر

جنوری	قوّامیت کے وجوہ	"	۳۲
فروری	قوّامیت کے تقاضے	"	۳۹
مارچ	نشوز اور اس کا علاج	"	۳۹

سیر و سوانح

جنوری	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۲۲
فروری	حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	"	۳۱
مارچ	حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ	"	۳۱
اپریل	حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	"	۳۹
مئی	حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	"	۳۱
اگست	حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	"	۴۱
ستمبر	حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	"	۲۷
اکتوبر	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	"	۱۹
نومبر	حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	"	۱۴
دسمبر	حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ	"	۲۶

مقامات

دسمبر	رسولوں کا اتمام حجت	جاوید احمد غامدی	۲۲

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مقالات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	معاشرہ کی اصلاح کے وسائل	امین احسن اصلاحی	۱۸
فروری	اسلام میں اتحاد کا طریقہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک مسلمانوں کا طرز عمل	؍	۱۵
مارچ	مقدمہ تفسیر نظام القرآن	امام حمید الدین فراہی	۲۳
اپریل	شان نزول	؍	۲۲
؍	جدید فلسفہ وسائنس سے مرعوبیت کے اثرات	امین احسن اصلاحی	۲۵
مئی	آسمانی کتابوں کی شرح ایک دوسرے کی مدد سے	امام حمید الدین فراہی	۲۸
اگست	تعیین خطاب	؍	۳۷
ستمبر	امام فراہی کا تصور حکمت	خالد مسعود	۱۹
نومبر	علامہ اقبال اور بیداری امت	شاہد رضا	۲۲
دسمبر	قرآنی تعلیم کے اصولی مسائل	امام حمید الدین فراہی	۳۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

افادات

اپریل	نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مدبر اور ماہر سیاست	امین احسن اصلاحی	۳۱

یسئلون

جنوری	جزا و سزا اتمام حجت کے ساتھ ہے	؍	۴۵
فروری	انسان کی فطرت اور اس کا طرز عمل	؍	۴۶
اپریل	نقد حدیث	؍	۴۳
مئی	سلطنت اسرائیل اور یہود سے متعلق قرآن کی پیشین گوئی	؍	۴۴

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
ستمبر	قرآن کی رو سے ترقی کا مفہوم	امین احسن اصلاحی	۴۱
نومبر	آیات متشابہات	؍	۲۶
دسمبر	دنیا میں ناقص چیزوں کے وجود کی مصلحت	؍	۳۷

وفیات

جنوری	مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی	؍	۴۹
جون	ہمارے غوری صاحب	جاوید احمد غامدی	۵
؍	عبد الستار غوری ـــــ میرا دوست میرا غم گسار	پروفیسر خورشید عالم	۷
؍	جناب عبد الستار غوری رحمہ اللہ	محمد عمار خان ناصر	۱۲
؍	توقیر کی صورت مجسم	ڈاکٹر شہزاد سلیم	۱۶
؍	عبد الستار غوری مرحوم	طالب محسن	۲۰
؍	مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے	ریحان احمد یوسفی	۲۲
؍	وہ نکہتیں نہیں باقی تو لو ہوا ہوئے ہم	سید منظور الحسن	۲۵
؍	عبد الستار غوری	محمد وسیم اختر مفتی	۲۹
؍	عبد الستار غوری مرحوم	ساجد حمید	۳۲
؍	عبد الستار غوری: ایک صاحب تحقیق شخصیت	شاہد رضا	۳۵
؍	ابو کی یاد میں	احسان الرحمٰن غوری	۴۲
؍	علم و اخلاق کا متاثر کن امتزاج	محمد بلال	۴۵
؍	ایک درویش محقق	نعیم احمد بلوچ	۴۷
؍	ہمارے غوری صاحب	محمد سمیع مفتی	۴۸
؍	آہ! عبد الستار غوری مرحوم	محمد رفیع مفتی	۵۱

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جون	مجسم بزرگ اور خالص انسان	محمد حسن الیاس	۵۲
〃	عبدالستار غوری	محمد صدیق بخاری	۵۳
〃	ہمارے غوری صاحب	ڈاکٹر منیر احمد	۵۵
〃	ہمارے غوری صاحب!	رانا معظم صفدر	۵۶
〃	غوری صاحب: انسانوں میں عظیم انسان	کوکب شہزاد	۵۹
〃	یادوں کے جھروکے	حافظ سعید احمد	۶۰
〃	ہمارے پیارے غوری صاحب (مرحوم ومغفور)	حافظ محمد ابراہیم شیخ	۶۱
〃	باباجی	عامر عبداللہ	۶۳
〃	مشعل راہ	محمد راشد	۶۴
〃	میرے دوست میرے بزرگ	محمد ارشد اکبر	۶۵
〃	سر غوری صاحب: محبت وشفقت کا دوسرا نام	نعیم احمد	۶۷
〃	غوری صاحب اور ان کی یادیں	اظہر امیر	۶۸
〃	عبدالستار غوری صاحب ـــــ کچھ یادیں	محمد جاوید اشرف	۷۰
〃	غوری صاحب: ایک مہربان انسان	محمد فاروق ضمیر	۷۳
〃	ایثار وقربانی کا پیکر	حفیظ اللہ	۷۴
〃	ایک ناصح	محمد مشتاق	۷۵
〃	میرے محسن	حافظ عزیز احمد	۷۶
〃	ہردلعزیز شخصیت	طارق نذیر	۷۷
〃	عاجزی وانکساری کا پیکر	عظیم ایوب	۷۸
〃	شفیق بزرگ	محمد حنیف	۷۹
〃	ایک دردمند انسان	عمران خان	۷۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جون	ہمدرد انسان	جاوید مسیح	۸۰
ً	خوش اخلاق انسان	یوسف آگسٹین	۸۰
ستمبر	مولانا محمد علی جوہر	امین احسن اصلاحی	۴۴

ادبیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مارچ	فضول خرچی کا انجام	مولانا الطاف حسین حالی	۴۹
اپریل	برکت اتفاق	ً	۵۰
مئی	ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر	شبلی نعمانی	۴۹
جولائی	احسانات الٰہی	ڈاکٹر مولوی نذیر احمد	۵۰
اگست	آدمی کی نیکی باقی رہتی ہے	سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر	۵۰
ستمبر	شہر آشوب اسلام	شبلی نعمانی	۴۸
اکتوبر	ایک سخت گیر آقا	مولانا الطاف حسین حالی	۴۹
نومبر	روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے	علامہ محمد اقبال	۴۹
دسمبر	غزل	جاوید احمد غامدی	۴۱

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org